نیانو آبادیاتی نظام اور اقبال
(فکرِ اقبال کا مابعد نوآبادیاتی سیاق)

ڈاکٹر محمد آصف *

Abstract

The psychological and sociological impacts of colonialism have been effectively highlighted in the writings of Iqbal (both in prose and poetry). Iqbal's thoughts have been explained and illustrated but the fact that Iqbal's thought is a direct reaction against colonialism is continuously neglected. Iqbal knew all about the nature, the skills and psychology of colonialism and imperialism. Deceit and deception along with exploitation in the shadow of justice and humanism is the ruling passion of colonialism. The "mission to civilize" is the illusion and maize which conceal the evil designs of imperialism. On the basis of his deep analysis and observation Iqbal had detected the real nature of this civil mission. So in this essay an effort is made to understand Iqbal's thoughts in the perspective of colonialism and post-colonialism.

عام گفتگو میں ملوکیت یا نو آبادیاتی نظام سے مراد ایک ملک کا کسی دوسرے ملک پر تسلط ہے مگر علمی و سیاسی اصطلاح میں یہ نو آبادیاتی نظام یا امپریلزم باقاعدہ ایک آئیڈیالوجی کے ذریعے منظم کیا گیا۔ اس لیے یہ ایک باقاعدہ نظریہ، ایک باقاعدہ فلسفہ ہے جس کی بنیاد "تہذیبی مشن" پر ہے۔ اس تہذیبی مشن کا مقصد یہ ہے کہ ترقی یافتہ اور مہذب اقوام پسماندہ اقوام کو مہذب اور ترقی یافتہ بنائیں اور چونکہ مغرب مہذب اور ترقی یافتہ ہے اس لیے اس تہذیبی

* اسسٹنٹ پروفیسر، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

مشن کو پورا کرنا اس کی ذمہ داری ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ دیسی باشندہ کاہل، سست اور کند ذہن ہے اس لیے اس کو نہ مکمل علم دیا جا سکتا ہے، نہ حکومت، نہ ٹیکنالوجی، نہ تجارت اور صنعت و سیاست، یہ دیسی باشندہ ان پیچیدگیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتا اس لیے اس کو سرپرستی کی ضرورت ہے۔ ملوکیت کے ساتھ نوآبادیاتی نظام جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔ امپریلزم یا سامراج اپنے تہذیبی مشن کو پورا کرنے کے لیے کوئی بھی نظام اختیار کر سکتا ہے۔ یہ نظام نوآبادیاتی نظام کہلاتا ہے۔ یوں ملوکیت اور نوآبادیاتی نظام دونوں لازم و ملزوم ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ سامراج اپنے مقبوضات میں وسعت دینے کے لیے جو نظام اختیار کرتا ہے وہ نوآبادیاتی نظام ہے۔ یوں معنوی طور پر دونوں ایک ہی مفہوم و مقصد اختیار کر لیتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ ملوکیت کی حیثیت ایک نظریے، ایک فلسفے اور ایک تہذیبی مشن کی ہے جبکہ اس کی عملی تشکیل نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ہوتی ہے۔

یورپی نوآبادیاتی نظام باقاعدہ طور پر سولہویں صدی میں قائم ہوا۔ اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب نے اس نظام کو مستحکم کرنے میں بے حد مدد دی۔ تجارتی مسابقت اور منڈیوں کی تلاش میں دیکھتے ہی دیکھتے برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، اسپین اور پھر انیسویں صدی میں روس، اٹلی، جرمنی، امریکہ اور پھر جاپان بھی ان کی صف میں شامل ہو گئے۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم سے پہلے امپریل ازم یا نوآبادیاتی نظام یورپ کی سرپرستی میں براہِ راست صورت میں موجود تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی تہذیب میں بالادستی کا امریکی دور شروع ہوا تو امریکہ نے براہِ راست امپریلزم کی بجائے بالواسطہ امپریلزم کی بنیاد رکھی۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی نوآبادیاتی نظام ایک نئی شکل میں یعنی بالواسطہ صورت میں امریکی سرپرستی میں شروع ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ یک قطبی طاقت بن کر ابھرا جس کا اتحادی یورپ تھا چنانچہ مغربی امپریلزم اب امریکہ کی سرپرستی میں نئی ہیئت کے ساتھ موجود ہے۔

ماضی میں امپریلزم لوگوں کے سامنے اور براہِ راست تھا وہ اس کے ظلم و تشدد سے آگاہ تھے لیکن نیا امپریلزم نظروں سے اوجھل، پوشیدہ اور بالواسطہ ہے اس کا اقتدار براہِ راست نہیں ہے۔ نیا امپریلزم اب بین الاقوامی امداد، قرضوں، ٹیکنالوجی کی منتقلی، سماجی و ثقافتی تبادلوں، بین الاقوامی اداروں (آئی ایم ایف، ورلڈ بنک، لندن کلب، پیرس کلب، یورپی یونین، تجارتی منڈیوں میں قیمتوں کے کنٹرول ڈبلیو ٹی او) اور سرمایہ کاری کے ذریعے قائم ہے۔ نوآبادیاتی نظام یا امپریل ازم اپنے تہذیبی مشن کو پورا کرنے کے لیے کوئی بھی شکل و صورت یا سسٹم اختیار کر لیتا ہے۔ ملوکیت، فاشزم، جمہوریت، اشتراکیت اس کے لیے کسی طرزِ حکومت یا نظام کی پابندی نہیں۔ وقت اور حالات کے تحت کوئی بھی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اپنے اس مشن کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے نوآبادیاتی نظام طاقت، تشدد، جنگ، علم،

ٹیکنالوجی، حکومت، سیاست، معیشت، تجارت، مشنریز، مستشرقین، ابلاغِ عامہ اور تعمیر و ترقی کے منصوبہ جات جیسے حربوں کا استعمال کرتا ہے چنانچہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے تک یورپ کی سربراہی میں اور دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکہ کی سرپرستی میں یہ تہذیبی مشن پورے شد و مد سے جاری و ساری ہے۔ امریکی سامراج نے یورپ کی پانچ صدیوں کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر بے حد پختہ انداز میں جدید نوآبادیاتی نظام تشکیل دیا ہے۔ امریکہ کے سامراجی عزائم کی بنیاد میں عہدِ وسطیٰ سے لیکر آج تک کے تمام افکار شامل ہیں۔(۱) مثلاً ۱۸۹۷ء لارڈ سالسبری نے کہا تھا:۔

"ہم کامرس، تجارت، صنعت اور بنی نوع انسان کی تہذیب کی توسیع چاہتے ہیں۔"(۲)

اسی طرح کپلنک (Kipling) نے ۱۸۹۹ء میں نے "سفید آدمی کا بوجھ (White man's burden)" کی اصطلاح اسی استعماری تصور کے تحت استعمال تھی کہ "غیر متمدن اقوام کو تہذیب و تمدن سکھانا سفید فام اقوام پر ایک بوجھ ہے"(۳)

چرچل کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ انگریزوں کو تہذیب، آزادی اور امن قائم کرنے کا قابل فخر مشن پورا کرنا چاہیے۔(۴)

مغربی استعمار کا یہ "قابل فخر تہذیبی مشن" آج بھی پوری شدت کے ساتھ نہ صرف موجود ہے بلکہ پوری قوت سے جاری ہیفرق یہ ہے کہ اب امریکہ اس کا سرپرست ہے جو "انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مداخلت"(۵) کے اصول پر سرگرم عمل ہے۔ استعمار کی یہ صدی "امریکی صدی" ہے۔ اب مہذب بنانے کا عمل کے رُخ واضح طور پر مسلمانوں کی طرف ہے چنانچہ امریکہ کے سب سے بڑے تھنک ٹینک "رینڈ کارپوریشن" نے ایک رپورٹ "civil democratic Islam" (مہذب جمہوری اسلام) کے نام سے ۲۰۰۳ء میں شائع کی تھی جس میں اس مشن کا اظہار اس طرح کیا گیا تھا:۔

> "اسلامی انتہا پسندی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہمیں ایسے اقدام کی ضرورت ہے جس کی بنیادی ہماری اپنی بنیادی اقدار، مفادات اور ضروریات پر ہو۔ ہمارے اس اقدام کا اولین ہدف، مہذب اور جمہوری اسلام کی ترقی اور نشو و نما ہو گا۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم سول جمہوری اقدار کو اسلام اور عالمِ اسلام میں فروغ دیں اور اسے زندگی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔"(۶)

اسی طرح امریکی رہنماؤں کے اس طرح کے بیانات منظر عام پر آتے رہتے ہیں کہ ہم مسلمان ممالک میں جمہوری عمل تیز تر کریں گے۔ ہم ان کو ترقی یافتہ اور مہذب بنائیں گے۔

غرض ۱۸۹۹ء میں کپلنگ کی اصطلاح "سفید آدمی کے بوجھ" میں تہذیبی مشن کی جو سامراجی روح کارفرما تھی وہی آج بھی فوکو یاما(Fukuyama) کی (1992)"End of history" ، ہنگٹنگٹن (Hungtington)کی " (1997) The Clash of Civilizations"اور امریکہ کے سب سے بڑے تھنک ٹینک "رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation)" کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب " (2003)"Civil Democratic Islam میں کارفرما ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مغربی استعمار کے اس عظیم تہذیبی مشن کا رُخ اب اسلام اور عالمِ اسلام کی طرف ہے۔

سامراجیت چاہے کسی بھی روپ میں ہو، اسلام اِس کے خلاف اعلانِ جنگ بلند کرتا ہے اور ظاہر ہے یہ جنگ وحدتِ انسانی اور حقیقی انسانیت کو وجود میں لانے کی خاطر ہے کیونکہ سامراجیت کی شکست وریخت کے بغیر حقیقی انسانیت کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔ فینن نے بھی تو یہی کہا تھا کہ :

"استعمار کی شکست نئے انسانوں کی حقیقی تخلیق ہوتی ہے۔"(۷)

چنانچہ اقبال نے بھی استعمار کی شکست وریخت کی خاطر اور انسانیت کی حقیقی تخلیق نو کے لیے اقبال نے مغرب کے تہذیبی و سیاسی استعمار کے خلاف اپنے فکری استحکام کے بل پر باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا۔ ("اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف"۔۔۔ سرورق ضربِ کلیم) ۔

حقیقت یہ ہے کہ مہذب بنانے کے مشن میں ملوکیت اور نوآبادیاتی نظام کے جو بھیانک عزائم کارفرما ہیں ان کی حقیقت تک اقبال اپنے گہرے تجزیے، مشاہدے اور تجربے کی بناپر پہنچ چکے تھے۔ وہ ملوکیت کے حربوں، مزاج اور نفسیات سے پوری طرح واقف تھے۔ اور اس کا ثبوت ان کا وہ شذرہ ہے جو ''سفید فام قوموں کا بار امانت" کے عنوان سے "شذراتِ فکرِ اقبال" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔(۸) اس حوالے سے بانگ درا میں ان کی نظم "خضرِ راہ" بھی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے "خضر راہ" کے بند، 'سلطنت' اور 'سرمایہ و محنت' میں انتہائی بلاغت واختصار کے ساتھ ملوکیت اور غلامی کی نفسیات، حقیقت وماہیت اور ملوکیت کے ان حیلوں اور بہانوں کی طرف، جو وہ مختلف اقوام کو غلامی پر رضامند رکھنے کے لیے اختیار کرتی ہے، اشارے کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت، جمہوریت اور انصاف کے نام پر استحصال اور مکر وفریب ہی ملوکیت کی نفسیات ہے اور اقبال نے اسے خوب پہچانا ہے۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنّ الملوک　　　سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے اک جادو گری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر　　　پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز　　　دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

از غلامی فطرتِ آزاد را رسوا مکن　　　تا تراشی خواجہ اے از بُرہَمن کافر تری

(بانگِ درا/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۹۰/۲۷۴)

یہ شعر بھی ملاحظہ کیجیے:

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ　　　خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مُسکرات

(بانگِ درا/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۹۲/۲۷۶)

اقبال نہ صرف جدید تاریخ کے رجحانات سے واقف تھے بلکہ اپنی گہری فکری بصیرت اور سیاسی تجزیے کی بدولت وہ مستقبل کے اُفق پر اُبھرنے والی استعماری آہٹوں کو بھی محسوس کر رہے تھے۔ اقبال نے یکم جنوری ۱۹۳۸ء میں اپنی ریڈیائی تقریر میں سالِ نو کے موقع پر جو پیغام دیا تھا اگر اس کو آج کے حالات و واقعات کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اقبال موجودہ دنیا کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ اقبال کے اِس بیان کے ایک ایک لفظ سے سامراج دشمنی اور انسان دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔ ملوکیت کی نفسیات، اس کے مختلف حربوں، سفاکی، عیاری اور اس کی مختلف شکلوں سے اقبال کس حد تک واقف تھے۔ ملاحظہ کیجیے (اور آج کے عالمی تناظر کو بھی مدِ نظر رکھیے):

" دورِ حاضر کو علومِ عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقی پر بڑا فخر ہے اور یہ فخر یقیناً حق بجانب ہے۔۔۔ لیکن تمام ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت، فسطائیت اور نجانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ اِن نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد

مد بروں کو انسانوں کی قیادت سپرد کی گئی ہے وہ خوں ریزی، سفاکی اور زبردست آزاری کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ وہ اخلاقِ انسانی کے نوامیسِ عالیہ کی حفاظت کریں، انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں۔ انہوں نے ملوکیت واستعمار کے جوش میں لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا۔ اور صرف اس لیے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ انہوں نے کمزور قوموں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ان کے اخلاق، ان کے مذہب، ان کی معاشرتی روایات، ان کے ادب اور ان کے اموال پر دستِ تطاول دراز کیا، پھر ان میں تفرقہ ڈال کر ان بدبختوں کو خوں ریزی اور برادر کشی میں مصروف کر دیا تاکہ وہ غلامی کی افیون سے مدہوش رہیں اور استعمار کی جونک چپ چاپ ان کا لہو پیتی رہے۔۔۔ دنیا پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ اس دنیا کے ہر گوشے میں چاہے وہ فلسطین ہو یا حبش، ہسپانیہ ہو یا چین ایک قیامت برپا ہے۔ لاکھوں انسان بیدردی سے موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ سائنس کے تباہ کن آلات سے تمدنِ انسانی کے عظیم الشان آثار کو معدوم کیا جا رہا ہے۔ اور جو حکومتیں فی الحال آگ اور خون کے اس تماشے میں عملاً شریک نہیں ہیں وہ اقتصادی میدانوں میں خوں کے آخری قطرے تک چوس رہی ہیں۔۔۔ تمام دنیا کے اربابِ فکر دم بخود سوچ رہے ہیں کہ تہذیب و تمدن کے اِس عروج اور انسانی ترقی کے کمال کا انجام یہی ہونا تھا؟"(۹)

اقبال کی اِس تقریر میں ہمارے عہد کی روح بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی اس کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال موجودہ دنیا کے حالات کو سامنے رکھ کر اپنی بات کہہ رہے ہیں۔ اور آج مغرب کی نام نہاد تہذیب یافتہ اقوام پسماندہ اقوام کے ساتھ جس وحشت اور بربریت کا سلوک کر رہی ہیں وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عصرِ حاضر کی ''تہذیب یافتہ'' اقوام نے حال ہی میں فلسطین، کشمیر، بوسنیا، افغانستان، عراق اور لبنان میں جس بہیمت کا مظاہرہ کیا ہے وہ اقوامِ عالم کے سامنے ہے۔

یہ استعماری و سامراجی نظام چاہے آمرانہ شکل میں ہو یا فاشطی شکل میں، جمہوری شکل میں ہو یا اشتراکی شکل میں اقبال کے الفاظ میں یہ ابلیسی نظام ہے۔ اس کے "شیاطینِ خاکی" طاغوتی عقل کے ذریعے یہی فرسودہ عذر دہراتے ہیں کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اپنے طاغوتی حربوں کی وجہ سے یہ ابلیسی نظام بے

حد مستحکم ہے۔ اس کے مذہبی، سیاسی، تاریخی اور معاشی و معاشرتی جالے بڑے پیچیدہ ہیں۔ "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ابلیس خود دعوے دار ہے کہ اِس پیچیدہ نظام کا جال اسی نے ہر طرف پھیلایا ہے۔

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب　　　میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا　　　میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام　　　پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

(ارمغانِ حجاز / کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۰۷، ۱۰/۷، ۹)

یہ اس دانشِ برہانی اور عقلِ طاغوتی ہی کا کمال ہے کہ ابلیسی نظام اپنے چہرے پر موقع و محل کے مطابق کوئی بھی نقاب چڑھالیتا ہے۔ چنانچہ مغرب کا جمہوری نظام ملوکیت ہی کا سازِ کہن ہے۔ اور آج مغربی امپریل ازم امریکہ کی سربراہی میں جمہوریت کے روپ میں عالمِ اسلام پر مسلط ہے۔ اگر "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" ہی کو مد نظر رکھ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گہرے سیاسی تجزیے کی بناپر اقبال کو احساس ہو چلا تھا کہ آئندہ ادوار میں مغربی تہذیب کی قیادت امریکہ کرے گا۔ اشتراکی نظام بوسیدہ ہو جائے گا۔ اسلام مغربی تہذیب کے مقابلے میں ابھر آئے گا۔ آج کی سیاسی بساط پر نظر ڈالیے تو مغربی امپریل ازم امریکہ کی سرکردگی میں اسلام سے نبرد آزما ہے۔ اقبال کی ابلیس نے بھی یہی کہا تھا کہ "مزدکیت فتنہ فرد نہیں اسلام ہے" **(۱۰)** ابلیس کی حکمت عملی کامیاب ہے۔ عالمِ اسلام ابلیس کی "حکمت فرعونی" کے باعث منتشر ہے۔ اس کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ مسلم باشندہ صحیح معنوں میں (سارتر کے الفاظ اگر استعمال کیے جائیں تو) "دیسی باشندہ" ہے۔ وہ "نصف شکستگی کی حالت میں" ہے۔ "شکستہ، فاقہ زدہ، بیمار، خوف زدہ، جراحت خوردہ، تلخ، بدمزاج، جنونی اور غصیلا۔" **(۱۱)**

مغربی تمدن کی جدید لبرل جمہوریت "ابلیسی ضابطۂ اخلاق" سے وابستہ ہے۔ اقبال کے لفظوں میں یہ "حکمتِ فرعونی" ہے جس میں "مکر و فن کے سوا کچھ نہیں" **(۱۲)** یورپی نوآبادیاتی نظام کا سرکردہ وپروردہ بھی ابلیس تھا۔ آج امریکی امپریل ازم کی رہنمائی میں تخلیق کردہ نوآبادیاتی نظام کا سرکردہ بھی ابلیس ہے اس لیے اس کا بھی "چہرہ روشن اور اندروں چنگیز سے تاریک تر" **(۱۳)** ہے۔

مغرب اپنے سامراجی واستعماری نظام کو کامیاب بنانے کے لیے ایسے ہی گہرے نفسیاتی حربے استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ یہ امر بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ نو آبادیات میں فلاحِ عامہ اور تعمیر و ترقی کے کام اس لئے سرانجام دیئے گئے کہ یہ مغربی استعمار کی ضرورت تھے (اور ضرورت ہیں) تاکہ مغرب کی انسان دوستی کو ثابت کیا جاسکے۔ اسلام اور مشرق کو کھوجنے کیلئے مستشرقین کی خدمات، علوم و فنون، ہسپتال، ریلوے لائینیں، پل، سکول یہ فلاحِ عامہ اور تعمیر و ترقی کے کام اس لیے بھی ضروری تھے (اور ضروری ہیں) کہ مغربی تہذیب کے خوشگوار اثرات ترتیب دیے جائیں۔ ہمارے اس نقطۂ نظر کی تائید خود 'اسٹوارٹ ہال' کے مضمون "مغرب اور بقیہ دنیا" کے درج ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ذرا دیکھئے:۔

> "سامراجی معاشی نو آبادیاتی نظام نے ترقی کی رکاوٹوں کو ختم نہیں کیا بلکہ دوبارہ سے نئی طاقت دینے کا کام کیا ہے۔ سامراجی نو آبادیات نے معاشی و سماجی طور پر ان معاشروں کو ترقی نہیں کرنے دی جہاں جہاں ان کا تسلط تھا، بلکہ یہ اور زیادہ پسماندہ ہو گئے ہیں۔ اگر کہیں ترقی کے آثار بھی نظر آتے ہیں تو وہ انحصار (Dependent) کی ایک قسم ہے، سرمایہ داری نو آبادیاتی نظام نے کسی نئے سماجی ڈھانچے کو پروان نہیں چڑھنے دیا۔ لوگ زمینداروں، مذہبی راہنماؤں، فوجی آمروں اور بدعنوان سیاست دانوں کی گرفت میں غربت وافلاس کے مارے ہوئے ہیں۔ مقامی کلچر کے خاتمے اور مغربی کلچر کے آنے سے بہت کم لوگوں کو فائدہ ہوا ہے۔"**(۱۴)**

اقبال ان حربوں سے واقف بھی تھے اور مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں اقبال نے مغربی سامراج کی اس منافقت وابلیسیت اور ملوکانہ عزائم و مظالم کو بڑی آسانی اور فنی حسن کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے۔**(۱۵)** اسی طرح زبورِ عجم کے اشعار میں انہوں نے مسلمانوں کو "دل آویزیٔ افرنگ" "شیرینی و پرویزیٔ افرنگ" اور "چنگیزیٔ افرنگ" سے ہوشیار رہنے اور "خوابِ گراں" سے بیدار ہو کر اپنا "حرم" دوبارہ تعمیر کرنے کی تلقین کی ہے۔**(۱۶)**

مغربی نو آبادیاتی نظام کو مستحکم کرنے میں مستشرقین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایڈورڈ سعید /Edward Said(۱۹۳۵ء۔ ۲۰۰۳ء) نے اِس ڈسکورس اور اوریئنٹلزم (Orientalism) کا تجزیہ کیا ہے جس کی مدد سے مغرب نے "مشرق" کی اپنے حسب منشا تشکیل کی۔ ایڈورڈ سعید کے خیال میں علوم کی یہ شاخ مغربی سامراجی توسیع پسندی کا ایک آلہ ہے۔ یہ سامراجی نو آبادیات کو محکوم رکھنے اور توسیع پسندی کی پالیسیوں کو مستحکم

رکھنے کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ اس کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ مغرب برتر و افضل ہے اور مشرق پسماندہ منفعل، غیر متحرک اور آمرانہ مزاج کا حامل ہے۔ اس طرح شرق شناسی ایک باقاعدہ نظریاتی علم ہے جس کو باضابطہ طور پر منصوبہ بندی کے تحت شروع کیا گیا، جس میں نسل در نسل سرمایہ کاری کی گئی اور اس مقصد کے لیے یورپ امریکہ میں مشرقِ وسطیٰ، دنیائے اسلام اور اسلام کے مطالعے کا ایک وسیع اور منظم سلسلہ قائم کیا گیا۔**(۱۷)**

اقبال بھی مستشرقین کے علم و فضل سے استفادہ کے باوجود ان کی حدود اور ملوکانہ اغراض و مقاصد سے واقف تھے بلکہ جدید اصطلاح میں تو وہ اس "ڈسکورس" کی حقیقت کو بھی سمجھتے تھے جس کا پردہ عہدِ جدید میں ایڈورڈ سعید نے چاک کیا ہے۔ اس کو انہوں نے ایک خط میں "ظاہری طلسم" کا نام دیا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان مغربی علوم سے استفادہ تو کریں لیکن بہت احتیاط کے ساتھ اور ناقدانہ نظر سے۔ تاکہ وہ اس کے ظاہری طلسم (ڈسکورس) میں گرفتار نہ ہوں**(۱۸)**۔

یہی وجہ ہے کہ وہ آرنلڈ اور براؤن جیسے جید مستشرقین کے تمام تر علم و فضل کے اعتراف اور ان سے عقیدت و محبت کے باوجود انہیں مغربی استعمار کا دست و بازو سمجھتے تھے۔ اقبال کہتے ہیں:

> "آرنلڈ کا اسلام سے کیا تعلق۔ "دعوتِ اسلام" اور اس جیسی کتابوں پر مت جاؤ۔ انہوں نے جو کچھ کیا انگلستان کے مفاد کے لیے کیا۔۔۔۔۔۔ لہٰذا آرنلڈ کو مسیحیت سے غرض تھی نہ اسلام سے بلکہ سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو آرنلڈ کیا ہر مستشرق کا علم و فضل ہی وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوسِ استعمار اور شہنشاہیت کے مطابق ہو۔ ان حضرات کو بھی شہنشاہیت پسندوں اور سیاست کاروں کا دست و بازو تصور کرنا چاہیے۔"**(۱۹)**

چنانچہ اقبال مستشرقین کی ایسی تصانیف اور آراء کو ہمیشہ استحصان کی نظر سے دیکھتے تھے جن کا نقطۂ نظر عادلانہ اور منصفانہ ہوتا تھا۔ اقبال خود بھی مستشرقین سے استفادہ کرتے تھے، استفادے کا مشورہ بھی دیتے تھے تاہم وہ چاہتے تھے کہ ان کتابوں میں جو ملوکانہ اغراض و مقاصد پوشیدہ ہیں مسلمان ان سے باخبر اور ہوشیار رہیں۔**(۲۰)**

یہ علم یہ حکمت یہ سیاست یہ تجارت جو کچھ ہے وہ ہے فکرِ ملوکانہ کی ایجاد

(ارمغانِ حجاز/کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۲۲/۷۳۰)

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت   پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

(بالِ جبریل/کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۴۳۵/۱۱۱)

مغربی ملوکیت اپنے استعمار کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی لوگوں کا ایک حلقہ تیار کرتی ہے یہ مقامی حلقہ مغرب نواز آمریت، ملائیت اور خانقاہیت پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ مغربی ملوکیت کا یہ دائرہ مقامی ہے۔ ان تمام عناصر کے مجموعے کو اقبال نے "مریدانِ فرنگ" اور "لردانِ فرنگی" کہا ہے۔ یہ "لردانِ فرنگی" اور "مریدانِ فرنگ" نو آبادیاتی نظام کے دست و بازو ہیں۔

یہ ہماری سعیٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج   صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی   ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علمِ کلام

(ارمغانِ حجاز/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۷۰۳/۱۱)

تح او لردِ فرلی را مرید   لرچہ لوید از مقامِ بایزید

لفت دیں را رولق از حلومی است   زندگالی از خودی محرومی است

دولتِ اغیار را رحمت سمرد   رسں ہا لردِ کلیسا لرد و مرد

(پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق/کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۸۲۰/۲۴)

اقبال کے نزدیک صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں (ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، مشمولہ، ارمغانِ حجاز/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۷۰۳/۱۱) ۔ چنانچہ مغرب کا استعماری نظام مُلّائیت کو اپنی ترویج کے لیے استعمال کرتا رہا ہے۔ مغربی دنیا جہاں آج "تہذیبوں کے تصادم" کی روشنی میں اپنی سیاست و معیشت اور استعمار کو استوار کر رہی ہے وہاں اسلام میں ملوکیت و مُلّائیت کو بھی مستحکم کر رہی ہے۔ ملا جہاں جہالت کے فروغ کا باعث ہے وہاں مغربی استعمار کا معاون بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے دین ملا کو "فی سبیل اللہ فساد" **(۲۱)** سے تعبیر کیا ہے۔ مُلّا دینِ اسلام کی تعبیر پہلے شہنشاہوں کے مزاج کے مطابق کرتا رہا ہے اب اس دور کے حاکموں کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔ ملا دینِ اسلام کی جو تعبیر پیش کرتا ہے وہ مغرب کے سامراجی نو آبادیاتی نظام کو تحفظ بخشتی ہے لیکن اقبال دینِ اسلام کی جو تعبیر پیش کرتے ہیں وہ انقلابی ہے اور اسلام کو استعماری سامراجی نظام کے مدِ مقابل بناتی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن   مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

(بالِ جبریل/کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۴۸۶/۱۶۲)

شہنشاہیت اسلام کی جمہوری روح کے خلاف ہے لیکن عالمِ اسلام کی صورتحال یہ ہے کہ کم و بیش تمام دنیائے اسلام شہنشاہیت کے لبادے میں ملبوس ہے جہاں بادشاہت ختم ہوگئی ہے وہاں آمریت جمہوری لباس میں موجود ہے۔اقبال نے اس کو "عرب امپریلزم "قرار دیا ہے۔اقبال اس "عرب امپریلزم" سے آگاہ تھے اور اسی لیے عالمِ اسلام میں جمہوری ریاستوں کے قائل تھے۔ان کے نزدیک یہی حل تھا جو مسلمانوں کو مغربی استعمار سے نجات دلا سکتا تھا۔**(۲۲)**

اقبال نے نوآبادیاتی نظام کے دست و بازو "مغرب نواز" طبقے سے خبردار کیا تھا۔"ایمی سیز یئر (Aime Cesaire)" نے نوآبادیاتی نظام کے اس پیچیدہ سسٹم بورژوا طبقے کی نژاداور جبر کا نہایت اچھے انداز میں تجزیہ کیا ہے جو اقبال کے خیالات کو سمجھنے میں بھی معاون ہے۔

> "دوستو! صرف سادیت پسند اور لالچی بنکار ہی تمہارے دشمن نہیں ہیں اور نہ صرف وہ اہل کار جو تم پر تشدد کرتے ہیں اور نوآبادیاتی نظام قائم کرنے والے آقا جو کوڑے مارتے ہیں، جو تم کو مفسد بناتے ہیں، بلکہ چیک چاٹنے والے سیاست دان اور تابعدار جج بھی تمہارے دشمن ہیں۔انہی خصائل کے مالک زہریلے صحافی، موٹی گردن والے عالم جو دولت اور حماقتوں کا مجموعہ ہیں۔انسانی نسلی علوم کے ماہرین جو علم مابعد الطبیعات میں الجھ جاتے ہیں۔متکبر ملا اور باتوں کے دھنی دانشور، پدریت جتانے والے یا معصومیت سے گلے لگانے والے فاسق دھوکے باز غرضیکہ سب جو مغربی بورژوا سوسائٹی کے تحفظ کی خاطر ترقی کی قوتوں کو منقسم کر کے ترقی کو روکتے ہیں۔یہ سب اِس دور کے سرمایہ داری نظام کے پیچ پرزے ہیں جو بظاہر اور خفیہ دونوں طریقوں سے لوٹ کھسوٹ کے نو آبادیاتی نظام کو سہارا دیتے ہیں۔یہ سب عوام دشمن ہیں۔"**(۲۳)**

ایمی سیز یئر کے نزدیک بورژوا طبقے کے آمریت پسند افراد زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔یہ اپنے خود غرض مزاج اور عادات و خصائل کی وجہ سے غیر ملکی ہیں اسی وجہ سے عوام دشمن اور سامراج دوست ہیں۔اس کے نزدیک یہ انتہائی پیچیدہ نظام (اور اقبال کے لفظوں میں ابلیسی نظام) ہے،اس سے نمٹنا محض باتوں یا اشتہاروں سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے محبت کی ضرورت ہے (یہ اقبال کا بنیادی موضوع ہے)۔ایسا معاشرتی نظام ترتیب دینے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے خوئے غلامی کے عادی عوام میں شعورِ ذات بیدار ہو۔ایسا نظام جس میں صدیوں کی غلامی سے شکستہ عوام محبت و اتفاق سے آگے بڑھیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔جدیدیت کے ذریعے زندگی کے

وسائل، خوشحالی سے مسرور ہوں اور پرانے زمانے کی گرمئ محبت سے سرشار ہوں۔ محبت کے حوصلے کے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا اور یہی اقبال کا بھی موقف ہے۔

غرض اقبال کی تمام نثری و شعری تحریروں کو مد نظر رکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ "سفید آدمی کا بوجھ" میں جو سامراجی روح کارفرما تھی، "تہذیبی مشن" کی آڑ میں ملوکیت کے جو سامراجی نوآبادیاتی عزائم کارفرما تھے، اقبال اپنے گہرے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر اس حقیقت تک پہنچ چکے تھے۔ وہ ملوکیت اور نوآبادیاتی نظام کے حربوں، مزاج اور نفسیات سے پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری اور نثر میں نوآبادیاتی نظام کی ماہیت و نوعیت نفسیات و مزاج، سفاکی و عیاری، قالب بدلنے کی صلاحیت، اس کے طریق واردات اور ان حربوں اور حیلوں بہانوں کا جو وہ مختلف اقوام کو غلامی پر رضامند رکھنے کے لیے اختیار کرتی ہے، تجزیہ کیا ہے اور یہ تجزیہ سائنٹفک، معروضی، مدلل بھی ہے اور خوبصورت ادبی جمالیات کے پیرہن میں ملبوس بھی ہے۔ اقبال کے افکار میں سامراجی استعماری نظام کے نفسیاتی و عمرانی اثرات اور اسباب و نتائج پر بڑی خوبصورت، بامعنی اور نتیجہ خیز بحث ملتی ہے۔ ہمارے ہاں افکارِ اقبال کی تشریح و توضیح کی جانب کافی توجہ دی گئی ہے لیکن اس حقیقت کو عموماً نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ اقبال کے تصورات براہِ راست نوآبادیاتی نظام کے خلاف ردِ عمل کے طور پر ابھرے ہیں اور اسی نظام کے تناظر میں انہوں نے اپنے افکار کو پیش کیا ہے اس لیے ان کے افکار کی تجزیاتی تفہیم میں اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر اقبال کے افکار کو سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ اگر پوری جدید ادبی و عمرانی فکر کو مد نظر رکھا جائے، چاہے وہ شعری ادب میں ہو یا نثری صورت میں، تو اقبال کے پہلے باقاعدہ شاعر نثر نگار ادیب، دانشور اور مفکر ہیں جنہوں نے نوآبادیاتی سامراجی نظام کی روح کو پہچانا ہے۔ ان کی فکر نوآبادیاتی نظام کے خلاف براہِ راست ایک ردِ عمل اور بھرپور مزاحمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ سامراجی نوآبادیاتی نظام کے خلاف اس نئی احتجاجی اور مزاحمتی شاعری، ادبی فکر اور اس نئی مزاحمتی جمالیات کے موجد علامہ اقبال ہیں۔ (اسی مزاحمتی جمالیات اور ادبی فکر کے اثرات آگے چل کر ہمیں فیض اور راشد جیسے شعراء کے ہاں نظر آتے ہیں اور یقیناً اس کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ایک اہم موضوع کی اہمیت رکھتا ہے) اس میں نوحے یا پیچھے مڑ کر دیکھنے کا انداز نہیں بلکہ یہ مزاحمت نئی دنیاؤں اور نئی انسانیت کی تعمیر کے لیے ہے۔ اس کا انداز تاریخی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں حسن و محبت، حب الوطنی، انسان دوستی، حریت، مساوات، اتحادِ نوعِ انسانی، سماجی و معاشی انصاف، بین الاقوامی امن و امان، انسانی اقدار کی بالادستی اور مساوات پر مبنی ایک بین الاقوامی عالمی نظام کے شاعر مفکر اور ادیب ہیں۔ اس انداز میں مطالعۂ اقبال کو اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ آج جبکہ تہذیبی تصادم، تہذیبی آفاقیت، نئے عالمی نظام، لبرل ازم، تاریخ کا خاتمہ اور

تہذیبی مشن کے نام پر ایک طاقتور ترین یک قطبی معاشی نوآبادیاتی نظام نے امریکہ کی سرپرستی میں ساری دنیا کو اپنے پیچیدہ، آہنی اور غیر آہنی شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے، ساری دنیا میں معاشی، سیاسی، سماجی، تہذیبی قتل و غارت گری، استبداد، دہشت گردی، تشدد، کا ایک بازار گرم کیا ہوا ہے، تو ایسے عالم میں اقبال ہی وہ پہلے جدید شاعر، ادیب اور مفکر ہیں جن کے حریت، مساوات اور اتحاد نوعِ انسانی پر مبنی تصورات ہمیں نوآبادیاتی نظام کی نفسیات کو سمجھنے میں مدد دے کر اس کے خلاف درست فکری و عملی مزاحمت پر اکساتے ہیں اس لیے کہ جدید اردو اور فارسی شعر و ادب میں اس بھیانک اور پیچیدہ ترین سرمایہ دارانہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف سب سے توانا، سب سے مؤثر اور باقاعدہ پہلی تخلیقی صدائے احتجاج اقبال ہی کی ہے اور اس لیے بھی کہ اقبال اس امر سے آگاہ تھے کہ مغرب کے اِس ابلیسی نظام کے باریک جالے کس طرح مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان جالوں کو، چاہے وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں، توڑنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی روشنی میں مغربی نظام اور مسخ شدہ اسلام دونوں پر کڑی تنقید کی ہے اس لیے کہ "وللہ المشرق والمغرب"۔ (سرِورق "پیامِ مشرق") اور دونوں کو یہ پیغام دیا ہے۔

آدمیت احترامِ آدمی

باخبر شو از مقامِ آدمی

(جاوید نامہ، کلیات اقبال، فارسی، ص۲۰۵/ ۷۹۳)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ امپیریلزم اور کولونیل ازم کی نوعیت و ماہیت اور آغاز وارتقاء کے حوالے سے مباحث کے لیے مختلف کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے:

مبارک علی، ڈاکٹر، "تاریخ اور آج کی دنیا"، (مضامین "کولونیل آئیڈیالوجی اور اس کی بنیادیں، "امپیریل اور تہذیب"، "سامراجی جنگیں اور امن تحریکیں")، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۳۶تا۷۹؛

مبارک علی ڈاکٹر، "تاریخ کی آواز"، (مضامین "مہذب اور غیر متمدن"، "تہذیب کے نام پر جرائم")، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵، ص۱۵۳تا۱۷۲، ۱۵۸تا۱۷۵؛

مبارک علی، ڈاکٹر، "تاریخ اور سیاست"، (مضامین "امپیریلزم کیا ہے؟"، "امپیریلزم کا عہد"، "کلچرل امپیریلزم")، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵، ص۷۲تا۱۰۶، ۷۹، ۱۲۳تا۱۲۷، ۱۳۲تا۱۳۷،

مبارک علی، ڈاکٹر، "جاگیرداری"، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص۱۲۹؛

صدیق جاوید، ڈاکٹر، "اقبال نئی تفہیم"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۳۴۴؛

کنیز فاطمہ یوسف، ڈاکٹر، "اقبال اور عصری مسائل"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۳۸۷؛

محمد آصف، ڈاکٹر، "اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش: فکرِ اقبال کے تناظر میں"، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۹ء (دیکھئے: باب 'ملوکیت و جمہوریت' اور دیگر متعلقہ حصے)؛

Huntington, "Clash of Civilizations", Touch Stone, New York, 1997, PP.83

Eldridge, C.C., "Victorian Imperialsism", Hodden Stoughton Tavon, 1978, P.161;Uday Sing Mehta, "Libralism and Empire", University of chicago Press,1999,P.111

۲۔ یہ حوالہ 'کے کے عزیز' سے لیا گیا ہے۔ دیکھئے:۔

Aziz, KK.,"The Bitish in India (A Study in Imperialsim)", National Commission on historical anc cultural research, Islamabad, 1976, P.5

۳۔ کپلنگ کی نظم "White Man's Burden" (سفید آدمی کا بوجھ) کے لیے ملاحظہ کیجیے:

Kipling, Rudayard,"The works of Rudyard Kipling", Edited and Published by Wordsworth Poetry Library, Hertfordshire, 1994, P.323,324;

مزید دیکھیے:

Hobson, J.A.,"Imperialism: A Study", George Allen & Unwin Ltd, London, 1902, PP.301

4. Hobson,J.A.,"Imperialism: A Study", PP.22

5. Tariq Ali, "The Clash of Fundamentalisms", Verso, London, 2003, PP.305

6. Cheryl Benard, "Civil Democratic Islam", Rand Corporation, Los Angeles (CA) 2003, PP.47, iii, ix

۷۔ فینن، فرانز، "افتادگانِ خاک"، ترجمہ، سجاد باقر رضوی، محمد پرویز، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۲

۸۔ اقبال۔ "شذراتِ فکرِ اقبال"، ترجمہ، افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۶

۹۔ اقبال۔ "حرفِ اقبال"، مرتبہ، لطیف احمد شروانی، ایم ثناء اللہ خان، انشا پریس، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۲۲۴، ۲۲۳

۱۰۔ اقبال۔ "ارمغانِ حجاز/کلیاتِ اقبال اردو"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۷۰۹/۱۷

۱۱۔ پیش لفظ از سارتر، مشمولہ "افتادگانِ خاک" از فینن، فرانز، ترجمہ، سجاد باقر رضوی، محمد پرویز، ص ۱۷، ۱۵

۱۲۔ اقبال۔ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق/کلیاتِ اقبال فارسی"، ص ۸۱۱/۱۵

۱۳۔ اقبال۔ "ارمغانِ حجاز/کلیاتِ اقبال اُردو"، ص ۷۰۴/۱۱

۱۴۔ اسٹوارٹ ہال، مضمون "مغرب اور بقیہ دنیا"، مشمولہ "جدید تاریخ" مترجم و مرتب، مبارک علی، ڈاکٹر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۳، ۲۷۴

۱۵۔ اقبال۔ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق/کلیاتِ اقبال اردو"، فارسی، ص ۴۳تا۴۷/۸۳۹تا۸۴۳

۱۶۔ اقبال۔ "زبورِ عجم/کلیاتِ اقبال فارسی"، ص ۴۷۵/۸۳

17. See for detail:

Said, Edward, W.,"Orientalism", Penguin Books, India, 2001, PP.7,8, 9, 25, 26, 300, 301,302

۱۸۔ اقبال۔"اقبال نامہ"، مرتبہ، شیخ عطا اللہ،(طبع نو، تصحیح و ترمیم شدہ ایڈیشن، یک جلدی اشاعت(،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۲۰۰۵ء،ص۵۵۷،۲۹۹

۱۹۔ اقبال۔"مکتوباتِ اقبال" بنام نذیر نیازی،مرتبہ،نذیر نیازی، سیّد،اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص۹۷،۹۶

۲۰۔ اقبال۔"اقبال نامہ"،مرتبہ، شیخ عطااللہ،(طبع نو، تصحیح و ترمیم شدہ ایڈیشن،یک جلدی اشاعت)،ص۵۵۹

۲۱۔ اقبال۔جاوید نامہ/کلیاتِ اقبال فارسی،ص۶۶۴/۶۷

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:۔

اقبال۔"تشکیلِ جدیدِ الٰہیاتِ اسلامیہ"(خطبۂ ششم)، ترجمہ،نذیر نیازی،سید، بزم اقبال،لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۲۴۵، ۲۴۶؛

Iqbal, Letters and writings of Iqbal, Ed., Dar, B.A, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1981, P.60

۲۳۔ ایمی سیر زر فرانسیسی کالونی مارٹینیک (Martinique) جزائر غرب الہند (West Indies)/کا رہنے والا تھا۔فینن کا دوست اور ہم وطن تھا۔ ۱۹۵۰ء میں نوآبادیاتی نظام پر اس کا مقالہ پیرس(فرانس) سے شائع ہوا جس کا۱۹۷۲ءمیں فرانسیسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ ملاحظہ کیجیے:

Cesaire, Aime,"Discourse on colonialism", Monthly Review Press, New York, 1972, PP.33